© rasailojaraid.com

ڈاکٹر غطریف شہباز ندوی*

امام شافعیؒ اور ان کا تجدیدی کارنامہ

[۶، ۷ جنوری ۲۱۰۳ء کو ہندوستان میں فقہ شافعی پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور جامعہ حسینہ شری وردھن کے اشتراک سے منعقد ہونے والے دوروزہ قومی سیمینار میں پیش کیا گیا]

اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لیے جس دین کو پسند کیا اور بندوں کو جس کا مکلّف بنایا ہے، وہ ابدی حقائق پر مشتمل ہے۔اس کے عقائد و مسلمات کو خلود عطا کیا گیا ہے، مگر ساتھ ہی وہ بھی زندگی سے بھرا اور حرکت ونشاط سے معمور ہے۔''یہ دین چونکہ آخری اور عالمگیر دین ہے اور یہ امت آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لیے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا......اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پر از تغیرات اور پر از انقلابات ہے''۔(۱) مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے بقول زمان ومکان کی تبدیلیوں سے عہدہ بُرآ ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو انتظامات فرمائے ہیں۔ایک یہ کہ اس کی تعلیم جامع وکامل اور زندہ ہے اور دوسرے اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ رجالِ کار عطا ہوتے رہے ہیں جو اس کی تجدید کرتے ہیں۔ امام شافعی بھی ایسے ہی رجال اللہ اور مجدد دین اسلام میں سے ہیں جو اپنے تعلق باللہ، زبان دانی، اخلاص وللّٰہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور خدمت دین میں ممتاز ہیں۔

اسلام کی تاریخ میں ائمہ اربعہ کا ظہور ایک معجزہ تھا۔ان میں امام ثالث حضرت امام شافعی کا امتیاز یہ ہے کہ وہ افقہ الامۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام دارالہجرت امام مالکؒ کے بعد آئے اور دونوں کے مدرسہائے فکر اور مناہج فقہ کی خوبیوں کے جامع ہوئے۔انہوں نے دونوں ہی مکاتب فکر سے خوشہ چینی کی۔ ان کے علاوہ انہوں نے تقریباً انیس شیوخ سے علم اخذ کیا جن میں فقیہ الشام امام اوزاعی کے شاگرد عمر بن ابی سلمہ اور فقیہ مصر لیث بن سعد کے شاگرد یحییٰ بن حسان شامل ہیں۔وہ امام لیث کی فقاہت سے بہت متاثر ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ: اللیث افقه من مالك الاان اصحابه لم يقوموا به :لیث مالک سے بڑے فقیہ ہیں مگر ان کے شاگردوں نے ان کو اٹھایا نہیں۔(۲) شافعی کے شیوخ میں یمنی، کوفی، بصری اور مکی، بغدادی استادوں کے نام بھی آتے ہیں۔امام مالک کے سامنے تو ان کو بنفس نفیس

*ڈائرکٹر فاؤنڈیشن فار اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی۔ ghitreef1@yahoo.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زانوئے تلمذ طے کرنے کا شرف ملا۔ فقہ حجاز یا مدرسۃ الحدیث سے استفادہ کے بعد وہ عراق گئے جہاں مدرسۂ کوفہ یا مدرسۃ اہل الرائے (۳) کے قریب آئے اور انہوں نے فقہ حنفی کے محرر امام محمدؒ بن الحسن سے کسب فیض کیا۔ یوں وہ حدیث وفقہ دونوں کے جامع بنے اور اپنی شاداب عقل ،زرخیز دماغ ، بحث واستدلال اور کلام ومنطق کی زبر دست اور خداداد صلاحیتوں کے باعث دونوں ہی سابق فقہوں سے اپنی الگ راہ نکالی اور تیسرے مذہب فقہ کے بانی ومؤسس ہوئے۔

سوانح زندگی: نام محمد، والد کا نام ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع تھا۔ نسبی تعلق قریش کے بنو عبد المطلب سے تھا۔ عبد مناف میں آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مل جاتا ہے۔ فلسطین کے شہر غزہ میں سنہ ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ خدا کی شان ہے کہ اسی دن حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی وفات ہوئی تھی۔ شافعی کے والد کا سایہ بچپن میں ہی سر سے اٹھ گیا، ان کی پرورش تمام تر والدہ نے کی۔ جب دو سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ ان کو لے کر ان کے گھر والوں کے پاس مکہ آ گئیں۔ عسرت ،یتیمی وتنگ دستی کے باوجود خاندانی وقار کی حفاظت اور اعلیٰ اخلاق پر تعلیم وتربیت ہوئی۔ امام شافعی کو غیر معمولی ذہانت، جفاکشی، دوراندیشی کے ساتھ ہی غضب کا حافظہ عطا ہوا تھا۔ شعر وادب میں بھی طاق ہو گئے کہ مدتوں تک مکہ سے دور صحرا میں بنو ہذیل کے درمیان رہ کر عربی لغت، محاورے اور فصاحت وبلاغت سیکھی تھی۔ ساتھ ہی تیر اندازی میں بھی حذاقت تامہ حاصل کر لی۔ بنو ہذیل کے ہاں سے واپس آ کر مکہ کے علماء کے پاس قرآن حفظ کیا اور حدیث وفتویٰ کی تعلیم حاصل کی۔ ان کے استاد مسلم بن خالد زنجی نے ان کی قابلیت کی شہادت دیتے ہوئے فرمایا: اے ابو عبداللہ، اب تم فتوی دو، کیونکہ فتوی دینے کے اہل ہو چکے ہو‘‘۔ (۴) مگر شافعی کو مزید علم کا شوق تھا چنانچہ انہوں نے امام مالکؒ کے درس حدیث اور ان کی کتاب مؤطا کا شہرہ سنا تو مدینہ کی راہ لی۔ والیٔ مکہ نے ان کے لیے ایک سفارشی خط امام مالکؒ کی خدمت میں لکھ دیا۔ مگر مالک کی خدمت میں حاضری دینے سے پہلے ہی مکہ کے کسی عالم سے مؤطا لے کر پوری پڑھ لی بلکہ حفظ کر لی۔ اس کے بعد مدینہ حضرت امام مالک کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کا حال یوں لکھا ہے: ’’میں صبح سویرے امام مالک کی خدمت میں پہنچ گیا اور مؤطا زبانی پڑھنی شروع کر دی حالانکہ کتاب میرے ہاتھ میں تھی۔ امام صاحب سننے لگے۔ جب مجھے خیال آیا کہ امام مالک تھک گئے ہوں گے تو میں نے قرأت روکنی چاہی، مگر حضرت امام کو میری قرأتِ مؤطا اتنی پسند آئی تھی کہ انہوں نے فرمایا: اے نوجوان اور پڑھ، چنانچہ یوں میں نے چند دنوں میں پوری مؤطا ان کو سنائی اور ختم کر لی۔‘‘ (۵) اس کے بعد شافعی فقہ وحدیث میں امام مالک سے مستفید ہونے لگے یہاں تک کہ اصحابِ مالک میں شمار ہونے لگے اور ان کی وفات (۱۷۹ھ) تک ان کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہوتے رہے۔

پھر یمن کے گورنر شافعی کو اپنے ساتھ لے گئے اور علاقۂ نجران کا قاضی مقرر کر دیا جہاں آپ پوری جرأت ،عدل وانصاف اور خوفِ خدا کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے لگے ، تاہم اس گورنر کے بعض عمال ومقربین کی زیادتیوں پر کھلی اور شدید تنقید نے اس کو آپ سے ناراض کر دیا۔ اس نے آپ سے یوں انتقام لیا کہ خلیفہ کی خدمت میں آپ کی شکایت لکھ بھیجی کہ یہاں کئی علوی لوگ ہیں اور ایک قریشی نوجوان ان کا حمایتی ہے۔ یہ لوگ خلافت پر خروج کا ارادہ رکھتے ہیں اور میرے قابو میں نہیں آ رہے۔ خلیفہ عباسی ہارون الرشید نے ان سب لوگوں کو اپنے دربار بغداد بلا بھیجا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شافعی علویوں سے محبت رکھتے تھے، مگران پر بغاوت کا الزام بالکل غلط تھا۔ بہرحال اپنی باری آنے پر انہوں نے اپنی طلاقت لسانی اور زور بیان کے بل پر اپنے کیس کی وکالت کی اور خلیفہ کے قاضی امام محمدؒ بن الحسن تلمیذ رشید ابوحنیفہؒ کی سفارش پر چھوڑ دیے گئے۔ یہیں سے وہ امام محمدؒ کے رابطہ میں آئے اور انہوں نے امام محمد کے علم وتفقہ سے فیض اٹھایا، ان سے مذاکرے کیے اور عراقی مکتب فکر اور اس کے منہج سے براہ راست واقفیت حاصل کی۔

یہاں سے فارغ ہو کر شافعی مکہ گئے جہاں انہوں نے حرم مکی میں نو سال تک درس دیا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے مکہ ہی میں ان کے آگے زانوے تلمذ تہہ کیا ہے اور جب ۱۹۵ھ میں شافعی دوبارہ بغداد آئے تو امام احمد نے ان کا بڑا اکرام کیا۔ بغداد کے اس سفر میں انہوں نے فقہ مالک اور فقہ حنفی سے الگ اپنی فقہی رایوں کا اظہار شروع کیا اور بغداد کے علماء وفقہاء سے ان کے مذاکرے ہوئے۔ بغداد میں انہوں نے جو فتوے دیے، انہی کو فقہ شافعی میں قول قدیم کہا جاتا ہے۔

مصر بھی اس وقت اہل علم کا مرکز تھا جہاں امام مالک کے بہت سے تلامذہ استاد کی فقہ کو عام کر رہے تھے۔ مصر ہی میں امام لیث بن سعد تھے جن سے شافعی کی مراسلت ہوئی تھی۔ ۱۹۹ھ میں شافعی مصر گئے جہاں انہوں نے اپنا مذہب فقہی باقاعدہ قائم کیا۔ وہاں ان کو بہت سے تلامذہ میسر آئے۔ مصر میں انہوں نے اپنے بہت سے خیالات کی تنقیح کی اور بہت سی سابق رایوں سے رجوع کیا اور نئی رائے پر فتوے دیے جن کو قول جدید کہا جاتا ہے۔ ۲۰۴ھ میں مصر میں ہی شافعی کی وفات بھی ہوئی جس کے مختلف اسباب بتائے جاتے ہیں۔ (۶) ان کے تلامذہ بویطی، سلیمان بن الربیع وغیرہ نے مصر میں ان کے مسائل وفتاوی کو مدون کیا اور یہیں سے شافعی مسلک کی عالم اسلام کے مختلف خطوں میں اشاعت ہوئی۔

امام شافعیؒ اور ان کی فقہ کا بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے حدیث وفقہ کو جمع کیا ہے اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ فقہ شافعی میں اصح مافی الباب (یعنی کسی مسئلہ کے سلسلے میں سب سے صحیح حدیث) سے اخذ واستفادہ کا رجحان ہے۔ شافعی کا بہت بڑا اور تجدیدی کارنامہ اور مجموعی طور پر اسلامی فقہ پر ان کا زبردست احسان ہے کہ انہوں نے فقہ اسلامی کے اصول مدون کیے، فروعی مسائل اور جزئیات کو منضبط کرنے والے جامع قواعد وکلیات کا استنباط کیا اور اپنی 'الرسالہ' اور 'الام' کے ذریعہ علم وفکر کی ایک نئی دنیا آباد کر دی۔ کتاب وسنت کے نصوص سے شرعی مسائل کا استنباط اپنی جگہ ایک عظیم الشان کام ہے۔ تاہم اس مسائل کی اصول سازی اور نظریہ سازی اس سے بھی بڑا کام ہے اور یہ شافعی کی عبقریت ہے کہ انہوں نے دونوں کام کیے اور اس راہ میں طریق معتدل کی دریافت کی۔ مثال کے طور پر اپنے بہت سے معاصرین کی افراط وتفریط کے درمیان انہوں نے کہا کہ قرآن اصل شرع ہے (۷) شافعی کے لفظوں میں:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو کچھ بھی اپنی رحمت کے طور پر اور بندوں پر حجت کے لیے نازل فرمایا، اس کا عالم عالم ہے اور جو اس کو نہیں جانتا وہ جاہل ہے۔ اس کو نہ جاننے والے کو عالم نہیں کہہ سکتے اور اس کے جاننے والے کو جاہل نہیں کہہ سکتے۔ اور علم کے اندر لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ اور جتنا کوئی قرآن کا علم رکھتا ہے اتنا ہی اس کا رتبہ سوا ہے اس لیے طالبانِ علم پر لازم ہے کہ وہ اس کا زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرنے کی بھرپور جدوجہد کریں اور اس راہ میں جو کچھ بھی پیش آئے اس کو برداشت کریں اور نص یا استنباط سے قرآن کے علم کے حصول میں نیت خالص اللہ کے لیے رکھیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یعنی قرآن شافعی کے نزدیک بیانِ کلی ہے اور سنت اس کی تبیین۔(۸) صحابہ بھی اسی کے قائل تھے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: من جمع القرآن فقد حمل امراعظیما و لقد ادرجت النبوۃ بین جنبیہ ال اانہ لایوحی الیہ : جس کے پاس قرآن کا علم ہے تو وہ ایک امر عظیم کا حامل ہے، گویا کہ اس کے سینہ میں نبوت دے دی گئی ہے، اگرچہ اس کے پاس وحی نہیں آتی۔(۹) ابن حزمؒ اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ: کل ابواب الفقہ لیس منہا باب الا ولہ اصل فی الکتاب، والسنۃ تعلنہ۔فقہ کا کوئی باب ایسا نہیں جس کی اصل کتاب اللہ میں نہ ہو، سنت اس کی تفصیل سے وضاحت کرتی ہے۔اس کے بعد شافعیؒ نے بیانِ قرآن کی دو قسمیں کی ہیں:

۱۔وہ آیات جو خود اپنی شرح ہیں اور جن کو مزید تفسیر کی ضرورت نہیں، مثلاً صوم اور لعان کا بیان۔

۲۔قرآن کی دوسری قسم وہ ہے جس کو انہوں نے القسم الذی من القرآن لایکون نص فی الموضوع بل البیان فیہ یحتاج الی السنۃ کہا ہے یعنی وہ قسم جو موضوع پر خود دلالت نہ کرے بلکہ اس کے بیان کے لیے سنت کی ضرورت پڑے۔(۱۰)

اسی طرح یہ مسئلہ ہے کہ قرآن کے فرائض وواجبات کے بارے میں صحیح نقطۂ اعتدال کیا ہے؟ شافعی نے قرآن کے متعدد نصوص میں غور وفکر کر کے فرض کو دو وجہوں پر تقسیم کیا ہے: فرض عین اور فرض کفایہ۔وہ فرض کفایہ کو المطلوب علیٰ وجہ الکفایۃ یراد بہ العام ویدخلہ الخصوص (ایسا عام فرض جو کچھ لوگوں سے مطلوب ہو) سے تعبیر کرتے ہیں۔(۱۱) امام شاطبی نے اس کی بے حد معنی خیز تفصیل کی ہے اور اس کو فرض عین پر ایک گونہ فوقیت دی ہے۔ابوزہرہ کی کتاب میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔چونکہ امام شافعی نے خود اصول وقواعد کا استخراج کیا اور ان کی تدوین کی، اس لیے بقول ابوزہرہؒ ان کے تلامذہ اور بعد کے لوگوں کو مذہب شافعی پر تخریج (کسی اصل سے مزید مسئلہ نکالنا) کے لیے اصول ثابتہ مقررہ میسر آ گئے، جبکہ یہ چیز دوسرے مذاہبِ فقہ میں نہیں پائی جاتی کیونکہ شافعی کے علاوہ کسی اور امام سے یہ منقول نہیں کہ انہوں نے شافعی کی طرح قواعد بیان فرمائے ہوں۔(۱۲)

امام شافعی کا دوسرا کارنامہ حجیت حدیث کا اثبات ہے۔موجودہ زمانہ میں انکار حدیث کا جو فتنہ پیدا ہوا ہے، عموماً اس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ یہ ایک نیا ظاہرہ Phenamenon ہے، مگر امام صاحب کی دونوں کتابوں الرسالہ اور الام کے ایک سرسری مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ فتنہ نہایت قدیم ہے۔شافعی کے زمانہ میں تین طرح کے منکرین حدیث موجود تھے جن سے ان کی گفتگوئیں بھی ہوئیں اور جن کی آرا کو اپنی تحریروں میں نقل کر کے انہوں نے ان پر تفصیل سے محاکمہ بھی فرمایا ہے۔الام کی کتاب جماع العلم میں شافعی نے تفصیل سے منکرین سنت کے بارے میں بیان کیا ہے۔(الرسالہ میں حجیت حدیث کا اثبات ہے اور الام میں منکرین سے مناظرہ اور ان کے استدلال کا تفصیلی رد ہے۔) شافعیؒ کے مطابق حدیث کا انکار کرنے والے فی الجملہ تین طرح کے لوگ ہیں:

پہلے تو وہ لوگ ہیں جو بالکل ہی سنت کا انکار کرتے ہیں۔الرسالہ میں امام صاحب نے ان لوگوں کا پورا استدلال نقل کر کے ان کو جواب دیا ہے۔ان کے الفاظ میں ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ: وجملۃ قبولھم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واحتجاجهم لہ ان الکتاب فیہ تبیان لکل شیئی ،وان الکتاب عربی ،لایحتاج الی بیان غیرمعرفۃ اللسان العربی والاسلوب العربی الذی جاء القرآن بہ ،ولیس وراء بیانہ بیان (۱۳) ای السنۃ لایمکن ان تاتی بشرع زائدعلی مافی الکتاب اللہ (ابوزہرۃ) مطلب یہ ہے کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے اورعربی کلام کو سمجھنے کے لیے عربی اور زبان اور عربی اسلوب کے علاوہ کسی اور چیز کی ضرورت کیوں پڑنے لگی۔اسی سنت قرآن کے کسی حکم پر اضافہ بھی نہیں کرسکتی۔ان کے استدلال کا جواب امام شافعی نے بہت تفصیل سے دیا ہے جس کی تلخیص ابوزہرہ نے کردی ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جوصرف انہیں حدیثوں کو لیتے ہیں جن کے مطابق قرآن میں کوئی حکم پایا جاتا ہے۔ یہ خبر واحدکوقبول نہیں کرتے۔(ماکان فیہ قرآن یقبل فیہ الخبر)اورتیسرےنمبر پر وہ لوگ ہیں جوبس انہی احادیث کو مانتے ہیں جومتواتر و مستفیض ہیں اورخبرواحدکی حجیت کے قائل نہیں ہے۔(وثالث المذاھب المخالفۃ للجماعۃ مذھب الذین ینکرون حجیۃ خبرالآحاد جملۃ ولایعتبرون الا الاخبارالمتواترۃ المستفیضہ (۱۴) پہلا گروہ توامت سے بالکل ہی خارج ہے(وقائل ذلک لیس من الاسلام فی شیء) (۱۵) اوردوسرے گروپ کے بارے میں تفصیل ہے کہ ان کے قول کے دومطلب نکلتے ہیں:ایک لحاظ سے یہ بھی پہلے ہی گروپ سے تعلق رکھتے ہیں،لہٰذا انہیں میں سے شمار ہوں گےاوراگران کےقول کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں تعارض نہیں ہوسکتا تو یہ بات درست ہےاوراس لحاظ سے اگر یہ خبرواحد میں شک کرتے ہیں توان کوخارج عن الامۃ (امت سے باہر)نہیں سمجھا جائے گا۔

پہلے گروپ کوامام صاحب زنادقہ،خوارج اوربعض معتزلہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جنہوں نے اپنی تائید میں ایک حدیث بھی گڑھ لی تھی کہ: جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تواس کوکتاب اللہ پر پیش کرو۔اس کے موافق ہوتوسمجھوکہ وہ میرا ہی قول ہےاوراس کے خلاف ہوتوسمجھوکہ وہ میراقول نہیں ہے کہ قرآن مجھ ہی پراترا ہے،اسی سےاللہ نے مجھے ہدایت دی تو میراقول اس کےخلاف کیسے ہوگا۔(مااتاکم منی فاعرضوہ علی کتاب اللہ، فان وافق کتاب اللہ فانا قلتہ وان خالف کتاب اللہ فلم اقلہ، وکیف اخالف کتاب اللہ وبہ ھدانی اللہ)۔اس حدیث کے سلسلہ میں عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا کہ اس کوزنادقہ اورخوارج نے گھڑا ہے۔(۱۶)

آج کے منکرین حدیث بھی کم وبیش انہی خیالات کی جگالی کرتے رہتے ہیں۔ان کے استدلال بھی تقریباً یہی رنگ لیے ہوتے ہیں۔امام شافعی ایک ایسے عہد میں پیدا ہوئے تھے جب روایات کی کثرت تھی،واضعین حدیث اورمنکرین سنت کی مذموم کوششوں سےاہل علم کے لیےسنت کےحوالہ سےایک بڑاعلمی چیلنج پیدا کردیا تھا۔وضعی حدیثوں کا ایک سیلاب تھا،ایسے میں شافعی جیسےعبقری نے وقت کےاس چیلنج کا جواب دیا۔آپؒ نے واضح کیا کہ سنت صحیحہ ثابتہ قرآن سے باہرنہیں ہے، وہ قرآن ہی مستنبط ہے۔اس کی اصل قرآن میں موجود ہےاورسنت اس کی مستندترین شرح وتفسیر ہے۔اسی کتاب میں آپ نے ثابت کیا کہ قرآن میں کئی جگہ الکتاب والحکمۃ ساتھ ساتھ آیا ہے۔(مثلاً البقرہ:۱۲۹)جس میں کتاب سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراد قرآن اور حکمت سے مراد اس کی نبوی تفسیر (حدیث) ہے (الکتاب ھو القرآن والحکمة ھی السنة النبویة (۱۷) ظاہر ہے کہ حکمت منزل من اللہ وحی اور اسوۂ نبوی کا عمل کی دنیا میں کامل ترین اظہار ہے، یہ وہ دانش نورانی ہے جس کو ماینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحی (النجم:۳،۴) کی تائید ربانی حاصل ہے۔ الرسالہ میں انہوں نے تینوں فریقوں کے جواب دیے ہیں اور اسی وجہ سے مکہ، بغداد اور مصر وغیرہ میں شافعی کو ناصر السنۃ اور حافظ حدیث کہا جاتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ شافعی بغیر کسی تعصب کے حق کی حمایت کرتے تھے۔

امام شافعی سے پہلے اہل الرائے، اصحاب الحدیث پر اپنے منطقی طرز استدلال کے ذریعہ غالب آجایا کرتے جبکہ اصحاب الحدیث ذخیرۂ آثار وروایات میں ان کو دبا لیتے تھے۔ جب شافعی آئے تو وہ ان دونوں ہی ہتھیاروں سے لیس تھے۔ چنانچہ ان سے دونوں مدرسہائے فکر کے جس آدمی نے بھی بحث مباحثہ کیا، کوئی بھی شافعی کے سامنے نہ ٹک سکا۔ حق کے سلسلے میں بلاخوف لومۃ لائم امام شافعی نے اپنی آرا کا اظہار کیا۔ چنانچہ امام مالک سے محبت کے باوجود انہوں نے ''خلاف مالک'' لکھی جس میں اپنے استاذ کی بہت سی رایوں پر تنقید تھی۔ اسی طرح اپنے دوسرے استاد امام محمد سے بھی مناقشہ کیا اور بصرہ کے علماء سے مناظرہ کیا اور سب میں غالب رہے۔ مگر برا ہو مسلکی تعصب کا کہ جب امام صاحب مصر گئے تو وہاں کے مالکیوں نے ''خلاف مالک'' لکھنے کی وجہ سے والی مصر سے ان کی شکایت کی اور ان کو مصر سے نکلوا دینے کی کوشش کی!! حالانکہ ان کا اختلاف صرف مالک سے ہی نہ تھا بلکہ حنفیہ اور دوسرے ائمہ فقہ سے بھی تھا۔ مثال کے طور پر امام شافعی خبر واحد کو اہمیت دیتے ہیں اور قرآن کے عام کی تخصیص خبر واحد سے جائز قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں حنفیہ کا ان سے اختلاف ہے کیونکہ حنفیہ کہتے ہیں کہ قرآن قطعی الثبوت ہے اور خبر واحد ظنی الثبوت، اس لیے ظنی سے قطعی کی تخصیص نہیں ہوسکتی (۱۸) سوائے اس صورت کے کہ اس عام کی پہلے ہی کسی اور سے تخصیص ہو چکی ہو۔

واضح رہے کہ ابوزہرہ کی تحقیق میں شافعی خود عقیدہ کے اثبات میں خبر واحد کو کافی نہیں سمجھتے۔ انہوں نے خبر واحد کی حجیت تو ثابت کی ہے تاہم وہ خبر واحد کو، جیسا کہ ابوزہرہ لکھتے ہیں، قرآن کے یا خبر متواتر ومستفیض کے درجہ میں نہیں رکھتے اور ابوزہرہ کے لفظوں میں: بھذا تراہ یضع الامور فی مواضعھا فھو یجعل الآحاد حجة فی العمل دون الاعتقاد، فیقرر ان الشك فیه لاعقاب علیه (۱۹) اس کے بعد امام صاحب نے خبر الواحد (روایات الخاصۃ) کے قبول کے دقیق شرائط بیان کیے ہیں اور یہ سب شرطیں وہی ہیں جن کو ماہرین مصطلح الحدیث نے قبول کیا اور ان سے اتفاق کیا ہے۔ خبر واحد کے علاوہ امام شافعی نے مرسل کو بھی بعض کڑی شرائط کے ساتھ قبول کیا ہے، مثلاً یہ کہ مرسل کبار تابعین کی ہو، اس مرسل کی کسی اور متصل روایت سے تائید ہوتی ہو یا قول صحابی اس کے مطابق ہو وغیرہ۔

اسوۂ متواترہ مکشوفہ ومروجہ کا سب سے بڑا اظہار امام مالک کے نزدیک عمل اہل مدینہ ہے، لیکن یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خلافت راشدہ اور خصوصا حضرت عمر بن الخطابؓ کے بعد اجلہ صحابہ کی بڑی تعداد جہاد، نشر علم اور دعوتی مقاصد کے تحت مختلف بلاد وامصاد میں پھیل گئی تھی اور مدینہ کا علمی اختصاص بڑی حد تک ختم ہو گیا تھا اور اس حقیقت کو خود امام مالک بھی تسلیم کرتے تھے۔ جبھی تو انہوں نے خلیفہ منصور کو اس بات سے روک دیا تھا کہ مؤطا کو پورے عالم اسلام کا دستور العمل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنا دیا جائے۔ انہوں نے خلیفہ کو خود یہی دلیل دی تھی کہ صحابہؓ کے علم کے حامل مختلف بلاد میں پھیل گئے ہیں اور وہاں لوگ ان کے فتووں پر عمل کر رہے ہیں، اگر ان کو ایک ہی مدرسۂ فکر کا تابع بنا دیا جائے گا تو بڑی مشکل پیدا ہو جائے گی۔ اسی دلیل کو آگے بڑھاتے ہوئے امام شافعی نے جو استدلال کیا اس کا مفاد یہ ہے کہ سنت قولی جو متعدد اہل علم صحابہ جیسے ابو ہریرہؓ، عائشہؓ اور ابو سعید خدریؓ سے مروی ہے، اس کو عمل اہل مدینہ پر ترجیح ہوگی۔ الرسالہ میں شافعی نے اصولی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ قولی حدیثوں سے مروجہ سنت (مدینہ میں) کی تصحیح و تنقید کا کام لیا جائے گا۔ الرسالہ جو اصول حدیث، فقہ اور اسلام کی مذہبی تاریخ پر اولین تصنیف ہے، اس نے آنے والے دنوں میں فکر اسلامی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

ہمارے زمانہ میں کچھ لوگ بڑی شدت سے تقلید کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں حالانکہ جس تقلید جامد کی مخالفت کا ان کو دعویٰ ہے، اس کا رستہ تو خود ائمہ متبوعین نے خود ہی بند کر دیا ہے۔ چنانچہ ہر امام تقلید جامد کے بالکل خلاف تھا اور سبھی حریت فکر کے قائل تھے۔ امام شافعی کا بھی اس کلیہ سے کوئی استثنا نہیں۔ جس طرح انہوں نے دلائل کے ساتھ اپنے اساتذہ اور معاصرین سے اختلاف فرمایا، اپنے شاگردوں کو بھی اسی کی تربیت دی کہ وہ ان کی جامد تقلید نہ کریں، چنانچہ شافعی نے فرمایا: اذا صح الحدیث فھو مذھبی و اضربوا بقولی عرض الحائط (جب صحیح حدیث مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے اور اس کے ہوتے ہوئے میرے قول کو دیوار پر مار دینا)۔ تمام ائمہ سے اسی طرح کے اقوال منقول ہیں اور امام ابو حنیفہ کے اسکول کا تو یہ امتیاز ہے کہ انہوں نے اپنے تلامذہ کو زبردست حریت فکری عطا کی تھی۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان کے ارشد تلامذہ نے امام ابو حنیفہ کی دو تہائی آرا سے اختلاف کیا ہے۔ (۲۰) یہی آزادیٔ رائے امام شافعی کے ہاں بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں یہ ہے کہ اگر شافعی کے قول کے خلاف کوئی حدیث مل جاتی ہے اور ان کے قول کو چھوڑ کر حدیث کو اختیار کر لیا جاتا ہے تو یہ مذہب سے خروج شمار نہیں ہوتا۔ بس شرط یہ ہے کہ جو لوگ مذہبِ امام سے باہر جائیں، وہ رتبۂ اجتہاد کو پہنچ گئے ہوں۔ (۲۱) چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب شافعی میں تخریجات کرنے والے علماء دو طرح کے تھے۔ وہ مخرّج جو اصول شافعی سے باہر نہیں نکلتے جیسے شیخ ابو حامد اور قفال۔ دوسرے وہ مخرّج جو مذہب شافعی سے اصول و فروع دونوں میں باہر چلے جاتے ہیں، اس لیے کہ وہ خود اجتہاد مطلق کے درجہ پر فائز ہیں۔ مثال کے طور محمدّون (محمد نام کے علماء) جن سے مراد ہیں: محمد بن نصر، محمد بن جریر طبری، محمد بن خزیمہ اور محمد بن المنذر، لیکن چونکہ انہوں نے کسی الگ فقہی مکتب فکر کی بنیاد نہیں ڈالی اور شافعی ہی رہے، اس لیے ان کو بھی شافعی مذہب کے اندر ہی شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ بعض کی رائے میں ان کے تفردات کو شافعی مسلک سے باہر سمجھا جائے گا۔ (۲۲)

اسی طرح اسلامی فکر میں قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کے اصول اربعہ کو بھی امام شافعی نے الرسالہ میں مضبوط استدلالی بنیادوں پر قائم کر دیا ہے۔ تاہم ان کی تحریروں سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اجماع سے مراد ان کی صحابہ کا اجماع ہے اور اس کے بعد کا اجماع ان کے نزدیک ثابت نہیں۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ اگر صحابہ کسی امر پر متفق ہوں تو وہ تمام فقہاء کے نزدیک اجماع ہے اور اس پر عمل واجب۔ اس میں فقہاء اور اہل الحدیث کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد اگر اہل مدینہ کا کسی امر پر اجماع ہے تو اس کو امام مالک ایک دلیل شرعی مانتے ہیں اور اس کی مخالف صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں کہ ان کے نزدیک عمل اہل مدینہ کے خلاف ہونا حدیث میں قادح ہے۔ امام شافعی کے زمانہ میں صورت حال یہ تھی کہ ہر فریق اپنی رائے پر اجماع کا دعویٰ کر رہا تھا۔ ایسے میں شافعی نے اصولی طور پر اجماع کو شرعی حجت تسلیم کیا۔ کتاب وسنت میں اس کی بنیاد دریافت کی، اس کے مبادی منضبط کیے۔ تاہم عملی سطح پر انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہر مسئلہ پر اجماع کا دعویٰ کرنا غلط ہے، کیونکہ ہمارے پاس اجماع کے عملاً وقوع کی کوئی دلیل نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اجماع کا مرتبہ کتاب وسنت کے بعد ہوگا اور وہ ان کے تابع ہوگا۔ اس معاملہ میں فریق مخالف کی انہوں نے شدت سے مخالفت کرتے ہوئے یہاں تک کہ دیا کہ: دعوی الاجماع خلاف الاجماع (اجماع کا دعوی کرنا خود اجماع کے خلاف ہے) اور آگے اس کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اجماع کے عیب کے لیے تو یہی کافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کی زبانوں پر تمہارے اس زمانہ کے علاوہ کبھی اس کا نام نہیں آیا۔ (۲۳) یوں شافعی بعض اجماع کے قائل ہیں، من کل الوجوہ اس کا انکار نہیں کرتے۔

اجماع کے علاوہ رائے، قیاس (یا اجتہاد) کو انہوں نے منضبط کیا ہے مگر استحسان پر تنقید کی ہے جس کا اعتبار مالکیہ وحنفیہ دونوں کے ہاں ہوتا ہے۔ کتاب الام میں اس کے رد میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ قیاس یا رائے (اجتہاد) ایک اصولی فریم ورک کے اندر operate کرتا ہے، اس لیے وہ درست ہے، جبکہ استحسان کو کسی کلیہ کے تحت لانا دشوار ہوتا ہے، اس لیے استحسان کو دلیل شرعی نہیں سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس بارے میں انہوں نے اپنے استاد امام محمد سے اختلاف کیا ہے، جس طرح عمل اہل مدینہ کے سلسلہ میں انہوں نے اپنے دوسرے استاد و شیخ مالک سے بھی اختلاف کیا تھا۔ تاہم قیاس کو شافعی اجماع کی نگرانی میں دینے کے حامی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ نئی تعبیری اور فکری کوششوں کو فکر اسلامی کے محور کے گرد رکھا جائے۔

واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مذاہب اربعہ بنیادی طور دو مذاہب یعنی فقہ شافعی اور حنفی کے اندر ضم ہو جاتے ہیں اور انہوں نے التفہیمات الالہیہ میں کہا ہے کہ میرا طریقہ جہاں تک ممکن ہے ان دونوں مذاہب کے درمیان جمع وتطبیق کرنا ہے۔ فرماتے ہیں: ونحن ناخذ من الفروع ماتفق علیه العلماء ولاسیما هاتان الفرقتان العظیمتان الحنفیة والشافعیة وخصوصاً في الطهارة والصلاة فأن لم یتیسر الاتفاق واختلفوا فنا خذ بمایشهد له ظاهرالحدیث ومعروفه ونحن لانزدری احداً من العلماء فالکل طالب الحق ولا نعقدالعصمة في احدغیر النبیی صلی الله علیه وسلم(۲۴)

''فروع میں ہم علما کے متفق علیہ مسئلہ کو لیتے ہیں خاص کر حنفی وشافعی مسلک کے اتفاق کو کہ یہ عظیم فرقے ہیں اور وہ بھی طہارت ونماز کے سلسلہ میں خصوصاً۔ اگر اتفاق نہ حاصل ہو اور علما مختلف ہوں تو پھر جس مسئلہ کی تائید ظاہر حدیث سے ہوتی ہے، ہم اسے اختیار کرتے ہیں۔ ہم علما میں سے کسی کی بھی اہانت نہیں کرتے کہ سبھی حق کے طالب ہیں، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اور کسی کے لیے عصمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شافعی پر نئے نئے مطالعات جاری ہیں۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر طہٰ جابر علوانی نے اس کا اظہار کیا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک ''نص شرعی'' صرف اور صرف قرآن کو کہا جاسکتا ہے۔ اس میں کوئی اور چیز اس کی شریک نہیں ہوسکتی۔ انہوں نے الام کے بہت سے اقتباسات اور فقرے نقل کر کے اس تحقیق کو پیش کیا ہے۔ البتہ یہ وضاحت کر دی ہے کہ صحیح اور ثابت سنت بہر حال اس کی شرح وتفسیر ہے۔(۲۵)

امام شافعی کا ظہور عصر عباسی کے دوسرے مرحلہ میں ہوا جب مختلف اسلامی علوم وفنون کی تدوین زور وشور سے ہو رہی تھی۔ علم کلام اور متکلمین میدان میں تھے۔ یونانی، سنسکرت، فارسی اور دوسری زبانوں سے عربی میں ترجمہ کی تحریک برگ وبار لا رہی تھی۔ مسلمانوں میں بھی طرح طرح کے فقہی، کلامی اور شیعہ فرقے وجود پذیر تھے۔ فقہ حنفی و مالکی کی نشو ونما ہو رہی تھی۔ اس عہد میں انہوں نے آنکھ کھولی اور اپنے عہد کے ان سبھی حالات، وقائع اور چیلنجوں سے واقفیت حاصل کی۔ امام صاحب قوی الحجت، زبان آور، فصیح وبلیغ، اور استدلالی انداز و منطقی اسلوب تکلم کے مالک تھے۔ چنانچہ اپنی کتابوں الرسالہ اور الام وغیرہ میں انہوں نے جو مقدمات قائم کیے، اور جس انداز میں فقہ، فقہ حدیث اور اصول فقہ کے سلسلہ میں اپنے استدلالات کی بنیاد رکھی اور جو نتائج نکالے، ان سے ایک زمانے نے اتفاق کیا۔ امام مالک نے مؤطا کے ذریعہ حدیث، اقوالِ صحابہؓ اور علماء مدینہ کی رایوں (عمل اہل مدینہ) اور اپنے فتاویٰ کو جمع کر دیا تھا۔ شافعی مؤطا سے بہت متاثر تھے اور سب سے پہلے اس کو انہوں نے ہی اصح کتاب بعد کتاب اللہ کا معزز نام دیا تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ نئے نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں اجتماعی اجتہاد، بحث ومناقشہ کے بعد مسائل کے استنباط واستخراج کی عظیم نظیر قائم کر چکے تھے۔ ان دونوں اماموں کے بعد ان دونوں کے علمی فکری اور فقہی سرمایہ سے کام لے کر امام شافعی نے اصول فقہ کی تدوین کی اور ادلہ شرعیہ سے اخذ واستنباط کا ایک واضح منہاج قائم کر دیا جس کے لیے قیامت تک امت ان کے زیر بار احسان رہے گی۔

مراجع وحواشی

(۱) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی تاریخ دعوت وعزیمت، حصہ اول، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ 1992، صفحہ 18

(۲) الامام محمد ابوزہرہ، الشافعی حیاتہ وعصرہ فقہہ وآراہٗ طبع ثانی دار الفکر العربی 1978، ص 47)

(۳) اہل الرائے اور اہل الحدیث محض تغلیبا ہے۔ رائے سے مراد ہے کہ قرآن وحدیث میں اگر کسی مسئلہ میں صریح حکم نہیں مل رہا ہے تو اجتہاد کیا جائے، جیسا کہ فقہاء عراق کرتے تھے، مگر ایسی صورت حال میں فقہاء حجاز اجتہاد کا رجحان کم رکھتے تھے۔ تاہم ایسا نہیں ہے کہ مدرسۃ اہل الرائے یعنی مدرسۂ کوفہ حدیث کو چھوڑ کر رائے پر عمل کرتا تھا اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ مدرسۃ اہل الحدیث (مدینۃ) میں رائے اور تفقہ سے کام ہی نہیں لیا جاتا تھا۔ فرق صرف کم وبیش کا ہے اور ان دونوں ہی رجحانوں کی دلیل اسوۂ نبوی میں ملتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اہل الرائے اور اہل الحدیث کا استعمال تغلیبا ہوتا ہے اور دو مختلف مناہج فکر کو بتانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور یہاں اہل الحدیث سے مراد ہمارے زمانہ کا فرقہ اہل حدیث تو ہرگز مراد نہیں ہے، جس پر ظاہریت کی چھاپ اور آج کل ائمہ فقہ اور خاص کر فقہ حنفی سے عداوت کا غلبہ ہے۔

(۴) الامام محمد ابوزہرہ، الشافعی حیاتہ وعصرہ فقہہ وآراہٗ طبع ثانی دار الفکر العربی 1978 اور اجتباء ندوی، تاریخ فکر اسلامی،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المرکز العلمی نئی دہلی 1998)

(۵)حوالۂ سابق،اوراجتباء ندوی،تاریخ فکر اسلامی،المرکز العلمی نئی دہلی 1998)

(٦)(٦)مشہور قول کے مطابق بواسیر کے مرض سے بعمر 54 سال امام شافعی کی وفات ہوئی اور معجم یاقوت کی روایت کے مطابق کسی فتیان نامی متعصب مالکی سے ان کا مناظرہ ہوا جس میں شافعی نے اس کولا جواب کردیا۔اس نے امام صاحب سے بدسلوکی کی،جس کی شکایت کسی نے والی مصر سے کردی،جس پر اس نے فتیان کوسزا دلوائی۔جذبۂ انتقام میں اس کے ساتھی امام صاحب کے حلقہ میں پہنچ گئے اور جب آپ کے سب تلامذہ اوراصحاب چلے گئے تو آپ پرحملہ کردیا۔ان کے زدوکوب کرنے سے آپ زخمی ہوگئے جن کی تاب نہ لاکر چند دن بعد انتقال فرما گئے۔الامام محمد ابوزہرہ،الشافعی 32)

(۷)ایضا211)

(۸)ایضا211)

(۹)ایضا ،210)

(۱۰)ایضا214)

۱۱۔202

12۔379)

13۔218

14۔220)

15۔219)

16۔(دیکھیں ابوزہرہ:الامام الشافعی:صفحہ 219)

17۔(222)

18۔ (208)

19۔ (232)

20۔امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں اور فقہ حنفی کے اساطین میں سے ہیں مگر اپنے استاذ سے نہ صرف فروع میں بلکہ اصول میں بھی سینکڑوں مسائل میں اختلاف کیا۔سبکیؒ نے ان کے بارے میں لکھا ہے:فانہمایخالفان اصول صاحبہما، طبقات الشافعیہ 1/243امام الحرمین الجوینیؒ کہتے ہیں کہ ان دونوں نے مسلک حنفی کے 2/3 حصہ میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا اور امام شافعی کا قول اختیار کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:صلاح الدین مقبول احمد،زوابع فی وجہ السنۃ قدیماوحدیثا،مجمع البحوث الاسلامیہ ،الطبعۃ الاولی 1411ھ 1991 جوگابائی 1/8 نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵صفحہ۴۲۲

21۔(دیکھیں ابوزہرہ:الامام الشافعی،383)

22۔ صفحہ382)

23۔(87)

24۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،(تفہیمات ۲/ ۲٤۲ اکادمیۃ الشاہ ولی اللہ دھلوی باکستان)۔

25۔ ملاحظہ ہو کتاب:مفاہیم محوریہ فی المنہج والمنہجیہ دوسراباب مفہوم النص دارالسلام،القاہرہ،الطبعۃ الاولی،2009)

© rasailojaraid.com